تعارف وتبصرہ

ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی

''حیات ابوالمآثر علامہ حبیب الرحمان الاعظمیؒ''

مصنف: ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی

ناشر: مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ (مدرسہ مرقاۃ العلوم) مئو یوپی

دوجلد: صفحات قریباً: ۱۵۰۰ قیمت: ندارد

علامہ حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے مئو میں آنکھ کھولی، اس کے قدیم اور تاریخی مدرسہ دار العلوم اور پھر مفتاح العلوم سے تعلیم حاصل کی۔ خدا کی شان یہ کہ دوبار دار العلوم دیوبند میں پڑھنے کے لیے داخل کیے گئے مگر دونوں ہی بار کچھ عوارض خاص کر طبیعت کی ناسازی کے ایسے پیش آئے کہ ان کو دار العلوم سے فراغت کا موقع نہیں ملا۔ غالباً مشیتِ الٰہی تھی کہ ایک چھوٹی سی جگہ سے پڑھ کر مئو کی خاک سے جو ذرہ اٹھے وہ علوم اسلامیہ اور بطور خاص علم حدیث کا نیر تاباں بن کر عالم اسلام کو منور کر جائے۔ ایسی بارعب، پر ہیبت اور جلیل القدر شخصیات کم ہی ہوتی ہیں جن کے علمی جاہ وجلال کا ڈنکا ہر طرف بج جائے جیسا کہ حضرت اعظمیؒ تھے۔ جن کی زیارت کے لیے علامۃ الشام شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ تین تین بار مئو جیسے دور افتادہ قصبے میں تشریف لائے۔ جن کی خدمت میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ جیسے مشاہیر نیاز مندوں کی طرح پیش آتے تھے۔ جن کو شیخ الازہر امام اکبر شیخ عبدالحلیم محمود نے اکبر علما العالم الاسلامی (دنیا کے سب سے بڑے عالم) کا خطاب دیا۔ جنھوں نے اپنی پہلی ملاقات میں انا حبیب الرحمٰن الاعظمی من الہند کہہ کر تعارف کرایا تو ان کے لیے علامہ نجد شیخ عبدا لعزیز بن باز احتراما اپنی کرسی سے کھڑے ہوگئے اور اس پر آپ کو بٹھادیا۔ جن کو علامہ یوسف القرضاوی جیسے بڑے فقیہ نے دوحہ قطر کے اپنے مرکز بحوث ودراسات السیر ۃ میں تشریف لانے کی دعوت دی۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ جیسے جدید وقدیم کے جامع جن سے استفادہ کرنے میں فخر جانتے تھے۔ جن سے سید الطائفہ سلیمان ندویؒ عمر میں ان سے بڑے ہونے کے باوجود علمی مسائل میں صرف استفادہ ہی نہیں بلکہ اپنی کتابوں پر نظر ثانی کی گزارش کرتے تھے۔ جن کو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ جیسے اکابر کا اعتماد حاصل ہوا۔ جن کو ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے شاہ ولی اللہ ثانی کہا۔ اس کتاب کو پڑھ کر میری زبان سے نکلا کہ حق یہ ہے کہ محدث عمر بن عبسہؓ کا وہ جملہ دہرایا جائے جو انھوں نے مشہور تابعی ابوقلابہؒ کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مجلس میں کہا تھا کہ

"هذا الجند بخير مادام هذا الشيخ بين اظهرهم" (اہل شام خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک یہ شیخ ان کے درمیان موجود ہیں)۔

کتاب کا پہلا حصہ ۱۲/ابواب پر مشتمل ہے اس میں فاضل مصنف جو حضرت اعظمی کے نواسے ہیں، نے حضرت اعظمی کے وطن، خاندان، پیدائش، نشو ونما، اساتذہ، تلامذہ، تدریسی وتالیفی خدمات، اسفار، سیاسی مصروفیت، نثر ونظم، اعیان کی وفیات پر حضرت کے تاثرات، خانگی زندگی اخلاق وعادات علامہ اور تصوف، مبشرات وکرامات، علامہ اعظمیؒ اہل علم کی نظر میں وغیرہ جیسے مباحث پر تفصیل سے قلم اٹھایا آثار قلم کے ایک الگ عنوان سے مولانا کے تمام مضامین کے نام اور حوالے اور ان کی وفات پر جو مراثی تحریر کیے گئے ان سب کو جمع کیا گیا ہے۔ فہرست مراجع اور رسائل وغیرہ کا اشاریہ دیا گیا ہے۔ یوں اس جامع مرقع کو پڑھنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ محدث کبیرؒ کی شخصیت اس قدر متنوع اور مختلف الجہات تھی کہ سید العلماء سید سلیمان ندویؒ نے بجا طور پر ان کو ہندوستان کے دوائر علم میں شمار کیا تھا۔ ڈاکٹر مسعود الاعظمی قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے نہایت محنت سے حضرت العلامہ کی حیات وخدمات سے متعلق مباحث اور تحریروں کو بڑی عرق ریزی سے جمع کیا اور ان کو ایک جاندار تذکرہ اور ایک دلکش سوانحی مرقع کی صورت میں پیش کر دیا ہے۔ کتاب کا دوسرا حصہ حضرت اعظمیؒ کی علمی خدمات کے تعارف وتلخیص پر مشتمل ہے۔ یہ دراصل ایک ارمغان علمی ہے جس میں نہایت جامعیت وکمال کے ساتھ علامہ اعظمی کی وسیع الاطراف خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں حضرت محدث اعظمی کتابوں کی حیرت انگیز معلومات، مخطوطات سے شغف، تفسیر واصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، متون و رجالِ حدیث کی مہارت، فقہی مرجعیت، عربی زبان وادب اور دیگر مروجہ علوم اسلامیہ پر علامہ کی مہارت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد علامہ اعظمی فتنوں کے تعاقب میں کے تحت ردسلفیت، ردشیعیت، ردرضا خانیت اور فتنہ انکار حدیث پر روشنی ڈالی ہے۔ علامہ کے ردود کی خاصیت یہ ہے کہ وہ علمی دنیا کے مسلمہ اصولوں پر بھی پورے اترتے ہیں اور اپنے اسلوب اور زبان وبیان کے اعتبار سے بھی چاشنی لیے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی خوش گوار طنزیہ جملوں نے ان کو نہایت کاٹ دار بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ معاندین حضرت کے علمی تعاقب کے آگے ڈھیر ہو جاتے تھے اور کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اس جبل العلم سے ٹکرائے۔

علامہ ناصر الدین البانیؒ نے حدیث کی مختلف کتابوں کی تحقیق، تعلیق اور تحشیہ سے پوری عرب دنیا میں ایک غلغلہ ڈال رکھا تھا۔ اور ان کے شذوذ اور ناروا حملوں سے حضرت امام اعظمؒ اور دوسرے حنفی ائمہ بھی محفوظ نہیں تھے۔ قارئین کو یاد دلا دوں کہ باوجود اپنے تمام ادعائے علم وتحقیق اور دعوائے عدم تقلید کے البانیؒ صاحب نے اپنی الضعیفہ میں امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں خطیب بغدادی کی اڑائی ہوئی اس ہفوات پر جزم ویقین کر لیا کہ امام صاحب کو کل 17 حدیثیں پہنچی تھیں۔ یہ اور اسی طرح کے بہت سے الزامات حنفی ائمہ پر انہوں نے لگائے ہیں۔ جن کا جواب باصواب علامہ اعظمیؒ نے الالبانی اخطائہ وشذوذہ لکھ کر دیا۔ اور اس کتاب کا کوئی جواب البانی یا ان کے تلامذہ سے نہیں بن پڑا۔ مخطوطات ومسودات کی چند عکسی تصاویر اور ردودِ مذکورہ کی تفصیل کے ساتھ فقہیات میں محدث اعظمیؒ کی خدمات بھی اہم

باب ہے۔ جس میں انساب وکفائت کی شرعی حیثیت ہمارے علماء وفقہاء اور ارباب افتاء کے لیے نہایت چشم کشا بحث ہے۔ کیونکہ ہمارے بہت سے مفتیان کرام اور مصنفین اس باب میں افراط وتفریط کا شکار ہو گئے ہیں۔ قابل ذکر ہے کہ اس باب میں حضرت اعظمی نے مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا تھانویؒ پر بھی نقد فرمایا ہے۔ دست کا راہل شرف بھی اسی موضوع سے ملتی جلتی کتاب ہے اور اس لائق ہے کہ نسب فروشی کے سارے دوکان دار اسے پڑھیں۔ اموی دور خلافت اور خاص کر سید نا معاویہؓ اور ان کے بیٹے یزید پر لعن طعن کیا جاتا ہے۔ حضرت محدث اس وادی میں بھی افراط وتفریط سے ہٹ کر گزرے ہیں اور اس سلسلہ میں مہتم دار العلوم دیوبند قاری محمد طیبؒ اور مولانا اطہر مبارکپوریؒ پر گرفت فرمائی ہے۔ کہنے کا مطلب ہے کہ محدث اعظمی کے سامنے اصل چیز احقاق حق ہے، اور اس کے لیے انہیں اگر اپنی جماعت کے بزرگوں یا اپنے احباب پر بھی تنقید کرنے پڑے تو اس سے قدم پیچھے نہیں ہٹاتے اور اس میں کسی جنبہ داری یا جماعتی تعصب کو راہ نہیں دیتے۔

اس کے بعد عربی تصانیف ومضامین کے تحت مولف نے علامہ اعظمیؒ کے حدیثی کارناموں کا ذکر کیا ہے جن میں مسند حمیدی، کتاب الزہد، سنن سعید بن منصور، مصنف عبدالرزاق، مختصر الترغیب والترہیب، المطالب العالیہ، کشف الاستار، کتاب الثقات لابن شاہین، استدراکات قاسم قطلو بغا، رسائل شاہ ولی اللہ، حیاۃ الصحابہ، فتح المغیث، اور جزء خطبات النبی اہم ہیں۔ راقم کے نزدیک یہی حصہ اس کتاب کیا مغز ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کی ان عظیم کتابوں کی خدمت کے سلسلہ میں محدث اعظمی نے کتنی جان فشانی کی ہے اور کس طرح محنت ومشقت سے وسائل نہ ہونے کے باوجود ایک چھوٹے سے قصبہ میں بیٹھ کر اس فرد فرید نے وہ کام کر دیا جس کو یوروپ میں بڑی بڑی اکیڈمیاں کیا کرتی ہیں۔ ہمارے علمی حلقے اور خاص کر علماء کے طبقہ کو جس میں تن آسانی اب عام ہو چکی ہے، اس کتاب کو ضرور پڑھنا چاہیے کہ ان کو پتہ چلے کہ ان کی صفوں میں کیسے کیسے گوہر نایاب ہو گزرے ہیں اور اب وہ خود اس کس حال میں ہیں۔ کتاب کے آخر میں مصنف نے علامہ کے چند مکاتیب دے کر اس میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ غرض یہ کہ کتاب کیا ہے پورا کتب خانہ ہے جس کو فاضل مصنف نے ۵۸۷ صفحات میں جامعیت کے ساتھ لکھا ہے اور یوں حضرت ابوالمآثر کی مفصل سوانح عمری اور ان کی علمی وفکری خدمات پر دو ضخیم جلدیں لکھ کر علماء ہند پر سے ایک بڑا قرض اتار دیا ہے۔ توقع ہے کہ کتاب مقبول ہوگی اور محدث اعظمی کے مطالعات کی نئی راہیں کھلیں گی۔ کیا اچھا ہو اگر اس کتاب کا عربی اور انگریزی ترجمہ بھی کروا دیا جائے۔ عرب دنیا کے علاوہ مستشرقین اور مغرب کے لوگ بھی آپ کے حالات سے کماحقہ واقف ہو سکیں۔